

طويل بوارہ

اور

جدید جنوبی ایشیا کی تشکیل
مہاجرین، سرحدیں اور تاریخیں

وزیریہ فضیلہ یعقوب علی زمیندار

ترجمہ: پروفیسر مقبول الہی

مشعل بکس

آر-بی 5، سینڈ فلور، عوامی کمپلکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ 54600، پاکستان

طویل بُوارہ

اور

جدید جنوبی ایشیا کی تشکیل

مہاجرین، سرحدیں اور تاریخیں

وزیرِ فضیلہ یعقوب علی زمیندار

اردو ترجمہ: پروفیسر مقبول الہی

کالپرائیس اردو © 2014 مشعل بکس

کالپرائیس © 2007 کولمبیا یونیورسٹی پرنس

ناشر: مشعل بکس

آر-بی-5، سینڈ فلور،

عوامی کمپلکس، عثمان بلاک، نیو گاردن ٹاؤن،

لاہور-54600، پاکستان

فون فیکس: 042-35866859

Email: mashbks@brain.net.pk

<http://www.mashalbooks.org>

انتساب

اپنے منقسم خاندان والوں بالخصوص اپنی والدہ کے نام

فہرست

5	اٹھار تشر
11	تعارف: تقسیم کامقام
31	تاریخیں وطن کی تشكیل۔ 1947
33	- 1 - دہلی سے مسلمانوں کا انخلا
61	- 2 - کراچی سے ہندوؤں کا انخلا
99	نقل مکانی کرتے ہوئے لوگ، غیر منقولہ جائیداد
101	- 3 - مہاجرین، سرحدیں، شہری
149	- 4 - بے خلی کی یعنیتیں
197	متصورہ حدود، ناقابل تصور عوام
199	- 5 - پاسپورٹ اور سرحدیں
235	- 6 - پاسپورٹوں کاواہم
281	ماحصل
283	- 7 - حرکت پذیر سرحدیں
297	حوالی میں مخفف الفاظ
299	حوالی
325	کتابیات

اطھار تشكیر

یہ کتاب، ہندوپاک کے، ان تمام منقسم خاندانوں کی ممنون ہے، جنہوں نے ہر مرتبہ، جب میں ان کی دلیل پر پہنچی، انہوں نے اپنی زندگیوں اور کہانیوں میں مجھے شریک کیا۔ ان کی مہمان نوازی اور گرجوشی نے اکثر اوقات مشکل انسٹرویوؤں کو، یادوں کو تاریخ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا ایک مشترک سفر بنادیا۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ وہ تاتھ جو میں نے لکھی ہے، انہیں بھی اس طرح حیرت میں ڈال دے گی، جس طرح کہ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔

اس کتاب کی تحقیق اور تحریر، تین برا عظموں کے آرپار بہت سے مختلف ملکوں میں وقوع پذیر ہوئی۔ جب میں نے دنیا کے نقشے کو آڑے ترچھے انداز سے عبور کیا تو مجھے بطور ایک دانش ورکے اپنی مراءات کا شدت سے احساس ہوا، اور ان دوستوں اور اجنبیوں کی طرف سے غیر معمولی فراغدی کا بھی، جنہوں نے مجھے بعض اوقات، ظاہر ناممکن سرحد عبور کرنے کے قابل بنایا اور مدد کیم پہنچائی۔

اس قسم کے سیلانی منصوبے کے لئے، جس کا نتیجہ کوئی جغرافیائی طور پر محدود طبقہ تھا، نہ ہی واحد دستاویز خانہ جہاں آدمی جاسکے۔ مجھے پرانے دوستوں، علماء اور واقف کار لوگوں پر بھروسہ کرنا تھا، جنہوں نے اس تحقیق کو حیرت انگیز طور پر ممکن بنایا۔ کہانیوں سے بھرے ہوئے صندوق میں سے صرف ایک مثال پیش کرتی ہوں: کراچی میں، میری بچپن کی ایک اسکول کی دوست کی والدہ کی

سابقہ رفیقہ کا رنے والی میں اپنی ایک دوست کا نام دیا، جس نے میرا اس طرح استقبال کیا گویا کہ میں اس کے خاندان کی کوئی فرد ہوں، اور مجھے اپنی شاگردوں سے متعارف کروایا، جو جوابی طور پر مجھے اپنے گھر لے گئیں اور مجھے ایک اپنے کے طور پر اپنی دوست بنا لیا، میرے شکرات بہت زیادہ ہیں، اور میں سمجھتی ہوں، کہ جزوی طور پر اس وجہ سے، کہ تقسیم ابھی تک ہم میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں کے بہت قریب ہے، میں اپنے مکالمہ کاروں کے صرف ایک حصے کی تفصیل پیش کر سکتی ہوں۔ کراچی میں، سرور اور عابدہ عبدالی، افتخار احمد، خالد احمد، مہر علوی، نسرین اطہر، نوشابہ بربنی، عارف حسن، لالہ حیات، بیگم قدیر الدین سید ہاشم رضا، احمد سعید، حسن زیدی، مسٹر زیدی اور میرے چھپائی کے طبقے کے تمام دلی والے؛ اور دہلی میں، مظفر عالم، اروشی بنا لیا، مشیر الحسن، رتو میمن، دملراج، جن، شارب رو دلوی، اور محمد طالب نے مجھ سے بات چیت کرنے کے لئے وقت نکالا، مجھے دوستوں اور خاندانوں سے متعارف کروایا، ریکارڈوں کے پتہ لگانے میں، یا تنظیمی معاملات پر پھنس گفت و شنید کرنے میں میری مدد کی۔ میں ایم ایس کارکن، ساتھ ہی ساتھ، پاپن اور موہن پنجابی، کا میرے ساتھ کراچی کی یادوں کو بانٹنے کے لئے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، جس نے کراچی سے ہندوؤں کے انخلا پر ایک حصہ لکھنے کے لئے مجھے تیقی رہنمائی مہیا کی۔ انور ادھارائے اور رکن ایڈوانی نے، نہ صرف دہلی کے ساتھ میرا پہلا تعارف کروایا، بلکہ ہر مرتبہ جب بھی میں وہاں منحصر نہیں پر پہنچتی، وہ میرا سہارا بن جاتے اور دہلی کی سخت گرمیوں کے دوران مجھے آرام بہم پہنچاتے۔ عطیہ احمد کی دوستی اور اس کے پورے خاندان کے خلوص کی حرارت کے بغیر، پرانے والی میں تحقیق ویسی نہ ہوتی جیسی اب ہے، میں ہمیشہ رہنے والی محبت کے لئے ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

پاکستان میں، کسی قسم کے تحریری ریکارڈ کو پڑھنے میں افراد، کسی حد تک اداروں سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے، اور لہذا وہاں دستاویز خانوں کی تحقیق کے تہائی والے کام کو، ذاتی مدد، اور چائے کے پیالوں نے جو مجھے ملتے رہے، معتدل بنانے سے بھی زیادہ بہتر بنا دیا۔ میں خصوصی طور پر، قائد اعظم اکیڈمی میں خواجہ رضی حیدر، کراچی یونیورسٹی میں ملاحظت کریم شیر وانی، سندھ کے

دستاویز خانے میں مسٹر کچھیلو، اوقوی دستاویزی مرکز میں مسٹر سلیم اللہ خان اور خالد احمد کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔ جنگ کے ایڈٹر محمود شام نے مجھے اپنے دستاویز خانے سے مواد پڑھنے اور استعمال کرنے کی اجازت دی اور سلیم اللہ صدیقی نے نہ صرف کئی مہینوں تک اپنے چھوٹے سے مائیکروفلم کے دفتر میں مجھے برداشت کیا، بلکہ شہزادیوں، رہنمایوں، اور کافی تکمیلی مدد سے میری تحقیق کی پیروی کی، ہندوستان میں، پردیپ مہندی رتے، جن کا تعلق امیریکن انٹی ٹیوٹ آف انڈیا سٹڈیز سے ہے، میرے لئے بہت قیمتی مدد و ثابت ہوئے، اور نہرو میوریل میوزیم ایئڈ لاسپریری، نیشنل آرکائیو آف انڈیا، اور ولی سعیت آرکائیو کے عملے نے، ریکارڈ تلاش کرنے، تیز رفتار فوٹو کاپینگ، چائے کے پیالوں، محبت اور اچھے اخلاق سے میری مدد کی، خاص طور پر جب میں کسی دباؤ میں ہوتی، یا وقت کی کمی کا شکار ہوتی۔

اس کتاب کی تحقیق میں درج ذیل اداروں کے وظائف سے مدد کی گئی: سوشن سائنس ریسرچ کوسل، دامریکن انٹی ٹیوٹ فار پاکستان سٹڈیز، دا کوسل فار امریکن اور نیز ریسرچ سنترز، دا سنٹر فار ہسٹریکل سوشن سائنسز ایٹ کولمبیا یونیورسٹی، اور دامریکی الور ایٹ یونیورسٹی فیلوشپ۔

میں اپنے اس پروجیکٹ کو متعدد علمی مقامات پر لے کر گئی ہوں، یونائیٹڈ سعیت اور نیدر لینڈز دونوں میں، جو چھٹر آور سالوں کے لئے میرا گھر بن گئے تھے۔ مشی گن یونیورسٹی میں ائرڈیپارٹمنٹ پروگرام ان ہسٹری اینڈ اپٹھر و پولوچی، این آر بر، جہاں میں نے اپنا پہلا غور و فکر شروع کیا، سے لے کر، کولمبیا یونیورسٹی میں ڈیپارٹمنٹ آف اپٹھر و پولوچی اینڈ دا سینٹر فار ہسٹریکل سوشن سائنسز، دا یکسٹرڈیم سکول آف سوشن سائنس ریسرچ اور اب کا عدم نیل والان ذوبین انٹی ٹیوٹ ایٹ دا یونیورسٹی آف ایکسٹرڈیم، دی ائٹریشنل انٹی ٹیوٹ فار دا سٹڈی آف اسلام ان داماڈرن ولڈ ان لیڈن، تک اور آخر پر براون یونیورسٹی میں ہسٹری ڈیپارٹمنٹ تک، ہر ایک نے میری کشش مملکتی، زندگی میں میری مدد کی، اور مجھے ایک ایسی دلنش و برادری مہیا کی، جہاں سے مجھے ابتدائی تجاویز پر قیمتی دعمل اور اس پروجیکٹ پر تحریر کے مختلف مسودات حاصل

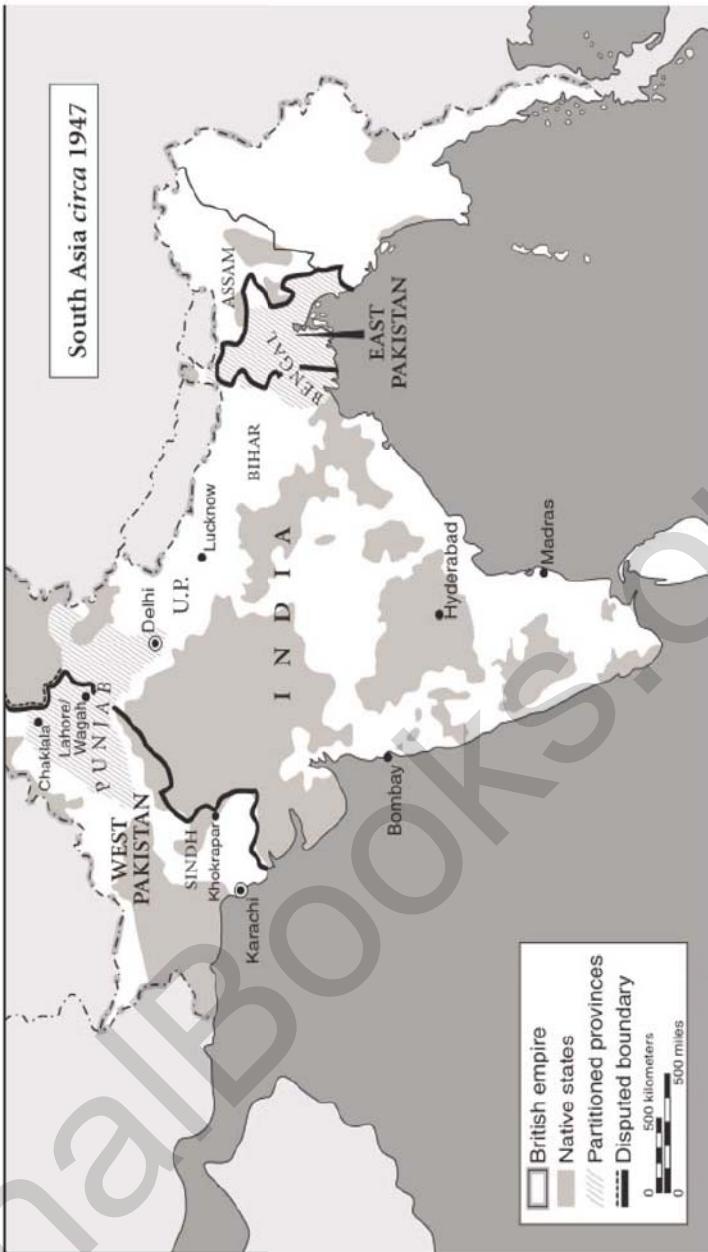
ہوئے۔ میں درج ذیل لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جنا کی باکھلے، پار تھا چیز جی، ڈی بورا کوہن، جوان آئی کول، فریڈرک کوپر، ای ویلناش ڈیبلیل، نکولس بی ڈرس، فرانس گاؤڈا، اشوک کول، محمد خالد مسعود، برکٹلے میسک، برگٹ میسر، اینٹنیز مورز، عامر مفتی، تارنیڈا، گیانیندر را پانڈے، پیٹر پیکیر، ٹھنگم راوندرانا تھن، ناؤ کوشیبو ساوا، این سٹولر، مارک سوس لوکی، تھامس ٹراوٹ مین، اور پیٹر وان ڈیر ویر۔ نک ڈرس نے خصوصی طور پر مجھے اس پر اچیکٹ پر اپنے دل کی پیروی کرنے پر اکسایا، اور سالوں تک اسے لیقین سے سہارا دیا اس وقت جبکہ خود میرا اپنی لیقین ڈولنے لگا، جبکہ پیٹر وان ڈیر ویر اور ایلیز مورز نے نیدر لینڈز میں میرے قیام کے دوران میری رہنمائی کی۔ برٹلے میسک اور پارٹھ چیز جی کے سدا پر مغفرت بھروس نے اہم طریقوں سے اس کوئی شکل دی۔ ولہ وان سکینڈل نے فراغی سے پورے متودے کو پڑھا اور اس پر رائے زنی کی۔

بیچھے نوٹ نے، دور بیٹھے ہوئے ایک قابل ذکر رہنماء کے طور پر کام کیا ہے، اور عمر خالدی اور جان ٹورپے نے میری تحریروں میں معاونت کرنے کے لئے مجھے اپنی تحریریں فیاضاً طور پر بھجوائیں۔ کامران اسد علی اور ڈیوڈ گمارش کے بصیرت افروز تبروں نے، کتاب کے تمی متودے کی تیاری میں میرے دلائل کو اور زیادہ تیکھا بنانے میں میری حوصلہ افزائی کی۔ میں ڈیوڈ ماجیز، میری بیٹھے برائی سن، جو نا تھن سدھوار لاراموٹن کا، متودہ کی تفاصیل میں مدد کرنے کے لئے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، اور این راؤٹن، اور ران ہیرس کا میرے متودے کو کتاب میں منتقل کرنے کے لئے ان کی مدد کا مدیرانہ قلب ماہیت کے لئے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔

اقبال احمد اور حمزہ علوی دونوں نے، میری دانش و رانش زندگی کے مختلف لمحات کی رہنمائی کی، اور میں ان کا ذکر کئے بغیر آگئے نہیں بڑھ سکتی، کیونکہ اپنی زندگیوں کے اختتام کے قریب، بطور دانش ور جمع فعالیت پسندوں کے، وہ مختلف طریقوں سے تقسیم اور اس کی تاریخ خنویسی کے ساتھ متعلق تھے، یعنی ماضی کو قوم کے معنوی داعیوں میں لپیٹنے کے ساتھ۔ مجھے امید ہے کہ یہ کام، ان کی بیجد فیاضی اور شفقت کے لئے، میرے اوپر ان کے ایشیا کے بارے میں سوچنے کے لئے ایک جذبہ ہجر کر کے تھے۔

میرے اپنے قریبی اور تقسیم کے دونوں طرف کھلی خاندان نے، ساتھ ہی ساتھ بچپن کی دوستوں اور ہمسایوں، نے اس تحقیق میں فعال طور پر حصہ لیا، میں نے ان سب کا انترویو کیا، ان سے وہ مشکل سوالات پوچھئے، جو بعض اوقات میں دوسروں سے نہیں پوچھ سکتی تھی، اور جواباً انہوں نے میری مدد کرنے کے لئے مواد کھو کر باہر نکالے۔ اگرچہ میں نے اپنے خاندان کے ساتھ انترویووں کو یہاں استعمال نہیں کیا، لیکن ان کا سایہ ناقابل اندازہ طریقوں سے اس پراجیکٹ پر پڑا۔ میرے والدین اور خاص طور پر یوسف خالونے میری تحقیق میں بطور معاونین، مددگار، اور شرکاً گفتگو کے حصہ لیا، اور میرے والد کے روزمرہ اخباری تراشے مجھے اب بھی ایک دستاویز خانہ مہیا کرتے ہیں، جن کی مدد سے میں سوچ سکتی اور استدلال کر سکتی ہوں۔

میں نے اپنا زیادہ تر لکھنے کا کام اپنے دو بیٹوں کی پیدائش کے ارگرد کیا ہے، اور یہ کام ایک غیر معمولی ماں کے بغیر ناممکن ہوتا، جو ایک سلسل حوصلہ افزائی اور ناگزیر مدد کے ساتھ آگے آئیں۔ مزید برآں، میرے والد اور مارکس بر جرنے لکھنے اور بظاہر دوبارہ لکھنے کے وہ اوقات مجھے مہیا کرنے کے لئے اپنے تعاون کا ہاتھ پھیلایا اور مدد سے زیادہ پھیلایا۔ میرے بھائی نعیم اور ایکسرٹ ڈیم کے میرے تمام دوستوں نے (بشوں عرفان احمد، محمد عامر، مریم آروغ، بنندی بیدی، فرانیا چلووا، جولی بارن بر ج، آلوک دے کونگ، میر بیانڈی ریکٹ، اور اندر اسلام) نے مسودات پڑھئے، لذکوں کو سنبھالنے کے سلسلے میں میری مدد کی، اور جب مجھے انتہائی ضرورت محسوس ہوئی تو میرے ساتھ استدلال کیا اور مجھے سننا۔ مارکس ان تمام سالوں کے دوران بہت مہربان ساتھ رہا ہے، اور بکر اور الیاس نے، اپنی پرسرت اور ہنگامہ خیز موجودگی سے، میرے شکریتے کو ابھارتے ہوئے، اس کام کو بھیل تک پہنچانے پر مجبور کیا۔



تعارف: تقسیم کا مقام

”ادھر، خاردار تاروں کے پیچھے ہندوستان تھا، اور وہ یہی تاروں کے پیچھے پاکستان۔ درمیان میں زمین کے اس بکڑے پر، جس کا کوئی نام نہیں تھا، تو پہلے بکڑے پر اتھا۔“ (منش)

ہمارے، دنیا کے نقشوں میں، بغیر نام کے زمین کا ٹکڑا غائب ہو جاتا ہے۔ یہ تھہ ہو کر ایک سیاہ، ناقابل لفڑو خط میں سمٹ جاتا ہے۔ مجھے غلام علی کی کہانی سے شروع کرنے کی اجازت دیجئے، اس تاریخ کی تہیں کھولنے کے ایک طریقے کے طور پر، جو خطوط میں سے زندگیوں کو اور نشان زدہ مقتامات سے نظر انداز شدہ گوشوں کو نکال لاتی ہے۔

غلام علی ہندوستانی فوج میں ایک نچلے درجے کا افسر، یعنی ایک حوالدار تھا، جسے دوسری بنگ عظیم کے خاتمے کے سالوں میں مصنوعی اعضا سازی کی تکنیکی تربیت حاصل کرنے کیلئے برطانیہ بھیجا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اسے راولپنڈی کے نزدیک چک لاہore میں فوجی ورکشاپ میں تعینات کیا گیا۔ 3، جون 1947 کو بر صغیر ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کیا گیا جو تقریباً دو صد یوں کے سامراج کے اختتام کی آمد کے ساتھ ساتھ واقع ہو رہی تھی، اور یعنی کوئی نسل نے سامراجی نظام حکومت کی وسیع مشینی، کرسیوں، میزوں، موگی آلات اور فوجی سامان سے لے کر، ریلوے انجینریوں اور دفتری ٹکرکوں تک ہر چیز۔ کو شمار کرنے اور دو حصوں میں تقسیم کرنے کا صبر آزمایا کام شروع کر دیا۔

ان تمام لوگوں سے جو سرکاری یا فوجی ملازمت میں تھے، یہ کہا گیا کہ وہ انتخاب کر لیں کہ وہ بعداز آزادی کوئی قوی ریاست۔ ہندوستان یا پاکستان۔ میں خدمات انجام دینا چاہیں گے۔

غلام علی نے ہندوستانی فوج کا انتخاب کیا کیونکہ اس کا آبائی گھر لکھنؤ میں تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ آزادی کے بعد کے وہ نقشے کھینچے جاتے جنہیں لکھنؤ میں ہندوستان اور چک لا لہ کو نئے پاکستان میں ظاہر کرنا تھا، نسل کش تشدید نے راولپنڈی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دونوں نوازائدہ مملکتوں کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر جنگ شروع ہو گئی۔ ہندوستان واپس جانے سے روکے جانے پر، غلام علی نوازائدہ پاکستانی فوج کیلئے خدمات انجام دینے پر مجبور ہو گیا۔ آخر کار 1950 میں پاکستانی فوج نے اس بنیاد پر کہ اس نے ہندوستانی فوج کا انتخاب کیا تھا، اسے فارغ کر دیا۔ اس اعضا ساز کو کھوکھرا پارکی پاکستانی سرحدی چوکی پر لے جایا گیا، اور اسے ایک ہندوستانی سمجھتے ہوئے، زبردستی، ہندوستانی علاقے میں بھیج دیا گیا۔ تاہم ہندوستانی چوکی پر اسے ایک ہندوستانی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ اسے سرحدی پولیس کی طرف سے بغیر سفری اجازت نامے کے داخل ہونے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا، قید کی سزا بھگتے پر مجبور کیا گیا، اور 1951 میں ایک پاکستانی ہونے کی بنابردا پاکستان بھیج دیا گیا۔

اگر زندگیاں رازوں کو افشا کر سکتی ہیں تو وہ اجھنوں سے آزاد بھی ہو سکتی ہیں۔ جب غلام علی کو بے خلی کا سامنا ہوا تو اس نے ایک پاکستانی شہری کے طور پر تسلیم کئے جانے کیلئے عدالتوں میں درخواست گزاری۔ لیکن 1956 میں اسے ایک ہندوستانی شہری قرار دے دیا گیا۔ پھر اس نے ایک پاکستانی پاسپورٹ خریدا تاکہ وہ سرحد پار کر کے لکھنؤ میں اپنے آبائی گھر واپس جا سکے۔ وہاں اس نے ہندوستانی شہریت کیلئے درخواست گزاری، لیکن اس کے بھائی کی طرف سے متعدد اپیلوں کے باوجود اتر پردیش کی صوبائی حکومت نے 1957 میں اسے ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ جب ہندوستانی پولیس کے ایک حفاظتی دستے نے اسے واگہ سرحد پر واپس پہنچا دیا تو وہاں موجود پاکستانی ملازمین نے دوبارہ اسے گرفتار کر لیا، اور اسے ایک ہندوستان شہری سمجھتے

ہوئے لاہور میں ایک ہندو گھپ میں ڈال دیا۔

غلام علی جس کے دونوں طرف خاردار تاریخ ہیں، جو ہری طور پر ایک منشیٰ شخصیت ہے: تقسیم کے ”پاگل پن“ کے بارے میں سعادت حسن منٹو کے معروف ترین افسانے میں تو بھیک سگھ کی طرح، وہ قومی ریاستوں کی نقشہ ٹگاری میں رکنیت کے تمام شکوک سے کام لیتا ہے۔ بلاشبہ ہندوستان کہاں ہے؟ پاکستان کہاں ہے؟ ایک ہندوستانی کون ہے؟ ایک پاکستانی کون ہے؟

غالباً 1947 میں تقسیم کے تباہ کن تجربات کا مخصوص وسیع جنم ہی اس مطالعے کے جواز کیلئے کافی ہے۔ نسل کش تشدد جری تبدیلی مذہب، شہابی ہندوستان کے وسیع علاقوں میں انگو اور جنسی تشدد، ساتھ ہی ساتھ لوگوں کی ایک بے مثال خانہ بدھی، کے امتیازی نشان کی حامل تقسیم کو ایک ”المناک مرگ انبوہ“ کہا گیا ہے (2) پھر بھی اگر 1947 کے واقعات کو اس چیز کے جو میرے مطابق طویل تقسیم ہے، آغاز میں رکھا جائے، تو یہ کتاب ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم ”تقسیم کے تشدد“ کے فہم کو اس قدر پھیلائیں کہ اس میں سیاسی سرحدیں کھینچنے اور ان شخصیات کو قومیانے کے نوکر شاہانہ تشدد کو بھی شامل کریں، جو بعض زندگیوں میں لاثنا ہی ہو گئے ہیں۔

غلام علی کی کہانی اتفاق سے میرے سامنے ایک سرکاری فائل میں آئی جس کیلئے میں نے درخواست کی، کیونکہ میں شہابی ہندوستان کے اردو بولنے والے مسلمان خاندانوں کا نسلی انداز سے ”کھوں لگا رہی تھی“ (3) جیسا کہ وہ 1947 کے بعد کے سالوں میں ہندوستان میں دہلی اور پاکستان میں کراچی کے درمیان تقسیم ہو کر رہ گئے تھے۔ تقسیم شدہ خاندان اس کتاب کا مرکزی موضوع ہیں، کیونکہ انہی کے ذریعے ہی، دونوں شہروں میں ان کی زبانی کہانیوں کے ذریعے، میں دستاویزات خانے آنے پر مجبور ہوئی، یہ وہ چیز تھی جسے ای۔ ویلنگٹن ڈپٹیل انٹرویوز کے اندر ”خاموشی کی بھنپھنا ہٹ“ کہتا ہے۔ ”بولنے کے قبل نہ ہونے“ اور ”بولنا نہیں چاہئے“۔ کے درمیان الجھے ہونے کی کیفیت۔ جس نے مجھے اس دور کے اردو اخبارات پڑھنے پر اکسایا، اور تقریباً میں نے دونوں ریاستوں کے بظاہر بے مطلب ریکارڈ چٹ کر ڈالے۔

حافظے اور ریکارڈ کے درمیان گھومتے ہوئے، میں اس قابل ذکر تاریخ کو بازیاب کر رہی ہوں کہ کس طرح ناقابل فہم تشدد کے درمیان، دوپس سامراجی ریاستوں نے تقیم کی دیوقامت بے خلیوں کا ادراک کیا ان میں مداخلت کی اور اس کو ایک مشکل وی۔ مہاجرین کو ایک سرکاری زمرہ بنانے، مہاجرین کی آبادکاری کو منصوبہ بنندی کا ایک آلہ بنانے سے ہی یہ ہوا کہ نئی قویں اور ان قوموں کے درمیان سرحدیں قائم ہوئیں۔ اور لوگ بشوں اپنے خاندانوں کے قسم ہوئے۔ انتہائی کڑی گمراہی والی مغربی ہندو پاک سرحد، جو آج تک علاقے کے شہریوں کیلئے عبور کرنے کیلئے مشکل ترین ہے، کشمیر کی شکش کا نتیجہ نہیں تھی، جیسا کہ سلامتی کے مطالعات کے گرو اشارہ کریں گے، بلکہ یہ بذات خود سیاسی تقیم کی بنیادی بے یقینی غلام علی چیزے ”مسلمان“ کہاں سے تعلق رکھتے تھے یا رکھ سکتے تھے، کو حل کرنے کی کوششوں کے ایک سلسلے سے تشکیل پذیر ہوئی۔ وہ ”مسلمان“ جن کی میں یہاں بات کر رہی ہوں، ان لوگوں کی طرف اشارہ نہیں کرتے جو مشترکہ اعتقادات یا نہیں اعمال سے تشکیل پاتے ہیں، کیونکہ جنوبی ایشیا میں مسلمان یقینی طور پر لسانی اور ثقافتی طور پر بہت متنوع ہیں۔ اس کی بجائے یہ ایک ایسے طبقے اور سیاسی تحریک کے تغیر شدہ زمرے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو سامراجی حالات کے تحت ابھرا۔ (5) اور جسے طویل تقیم کے سالوں کے دوران خاصی حد تک تبدیل ہوتا تھا۔ اس بارے میں بہت سی متنازعہ تاریخیں ہیں۔ کہ مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی قومیت کا قصور کس طرح تحریک ہو کر تحریک پاکستان کا ایک حصہ بنا؛ کس طرح نیالفظ پاکستان، جو 1933ء میں کیمریج یونیورسٹی کے ایک پنجابی مسلمان طالب علم کی طرف سے ”اپنی جگہ بنانے“ کی متعدد خیالی مشقوں کے درمیان خیال انگیزان طور پر تراشًا گیا۔ 1947ء میں (6) حقیقی ”کرم خورده پاکستان“ پر بنت ہوا۔ یہاں میرا مقصد تقیم کیوں واقع ہوئی کو سمجھنے کیلئے ان مطالعات میں اضافہ کرنا نہیں ہے (7) بلکہ شالی ہندوستان کے مسلمان خاندانوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، سیاسی قسم کے اس پس سامراجی بوجھ کی وضاحت کرنا ہے۔

جب آں انڈیا مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا، تو اس نے ایسا ”مسلمانوں“

کی قوم کی طرف سے کیا، اگرچہ بہت سے مسلمان تحرک پاکستان کی حمایت نہیں کرتے تھے، اور پھر دوسروں کو ایسی ریاست سے ویسے ہی باہر رہ جانا تھا، جوان علاقوں سے تشکیل پاتی، جہاں مسلمان ایک عدی اکثریت رکھتے تھے۔ مزید برآں ان لوگوں میں جو تحریک یک پاکستان کی حمایت کرتے تھے وہی اور اتر پردیش جیسے علاقوں کے مسلمان بھی شامل تھے جو اس کے دعویٰ شدہ علاقوں کا حصہ نہیں بن سکتے تھے۔ جیسا کہ ڈیوڈ گلماڑن تو پنج کرتا ہے، ”دو قومی نظریہ“ جو مسلم لیگ کے مطالبے پاکستان کی بنیاد تھی ”بنیادی طور پر قومیت کا غیر علاقائی تصور تھا“ اور ”بہت سے مسلمانوں کیلئے پاکستان کا مفہوم بنیادی طور پر کسی مخصوص علاقے کے ساتھ تعلق سے مشروط نہیں تھا“ (8)

تاہم، جب مسلم لیگ اور انہیں پیشل کا گریس انجام کا ترقیم، اور علاقے کے لحاظ سے واضح طور پر مختلف، دوپس سامراجی ریاستوں کو انتقال اقتدار پر متفق ہو گئیں، تو قوم کو جو ابھی تک ایک قومیت تھی، بطور دور ریاستوں کے شہریوں کے قوم میں تبدیل ہونا تھا۔ یہ کام، دونوں ابھرنے والی ریاستوں کیلئے کچھ سوالات اور ان سے متعلقہ ابہامات کے ساتھ سامنے آیا، وہ ہندو اور سکھ جو پاکستان کی سر زمین میں رہائش پذیر تھے، کس ملک سے تعلق رکھتے تھے؟ کیا وہ ہندوستان کے شہری ہو سکتے تھے یا ابھی تک پاکستان کی متصورہ ریاست کا حصہ تھے؟

جونی 1947ء، ایک نقطہ آغاز بتا ہے، تو یہی وہ مقام ہے جہاں برصغیر کی تاریخ نویسی ایک پی تلی خاموشی میں وضدلا جاتی ہے۔ جب قوم پرستی، ریاستی حیثیت کا اپنا متعینہ نصب اعین حاصل کر لیتی ہے، تو خطے کی زیادہ تر تاریخیں مجموعی طور پر اس ”لحہ حصول“ پر ختم ہو جاتی ہیں، یا جب ”ہندوستان“، ”پاکستان“ اور ان کی سرحدیں اپنی مکمل شکلوں میں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں، تو اس ”لحہ اشتقاق“ میں، یہ تاریخیں علیحدہ علیحدہ دو واضح قومی ریاستوں کے مطابعے میں مجوہ ہو جاتی ہیں۔

یہ کتاب اس نقطہ آغاز پر قدم رکھتی ہے، اور نسل کش تشدد اور اجتماعی بے دخلی، مہاجرین کی بحالی اور دوبارہ آباد کاری، لوگوں کی نقل و حرکت کو کنٹرول کرنے اور شہریت کو تشکیل دینے کے

لئے ورق ورق تاریخ کو سینتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ ایک ہی تاریخ کے باہم طور پر تفکیل شدہ ہے تھے۔ اگر یہ ”حقائق“، تقسیم کی کسی ایک جانب کے مستاوی زیر خانوں میں بازیاب کئے جاتے تو یہ قوم کی سرحدوں کی حاشیائی تاریخ کے آگے سرتسلیخ نہ کر دیتے۔ اس کی وجہے، میری سرحدوں کے آرپار کی تحقیق، دونوں ریاستوں کے درمیان مرکزی مکالے کی وضاحت کرتی ہے۔ جبکہ وہ تاریخی افراتغری کے درمیان اختلاف کی علامت بنتی ہیں۔

مائیکل روالف ٹراؤلوس کا تبصرہ کہ ”تاریخ ان لوگوں کے لئے جنمیں اس میں زندگی بسر کرنا ہو بے ترتیب ہوتی ہے“⁽¹¹⁾ پیش منظر کیلئے اہم ہے، صرف ان لوگوں کیلئے نہیں جو اپنے وقت کی افراتغری میں پھنسنے ہوئے ہوں۔ تقسیم کے مفہوم کے بارے میں تصورات کا ہجوم خود مختار قومی ریاستوں کے ہمارے مثالی نمونے میں اچھے طریقے سے نہیں جڑتا۔ اس ”یعنی نظریے“ سے لے کر جس نے یہ تجویز کیا کہ ہندوستانی ریاست پاکستان کے ہندوؤں اور سکھوں کی حفاظت اس طرح کر سکتی ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ یرغمالوں کا سا سلوک کرے،⁽¹²⁾ یا کامگیری کی رہنمایا سردار پیل کا اس بات پر اصرار کہ پاکستان میں رہنے والے ہندوؤں اور سکھوں کی ہندوستانی شہریت پر غور کیا جائے تاکہ وہ وہاں اجنبی نہ ہوں،⁽¹³⁾ یا بنگالی مسلم لیگی رہنمایاچ۔ ایس سہروردی کا پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں خطاب، جس میں اس نے یہ استدلال کیا کہ ہندوستان میں اس کی رہائش جاری رکھنا اس کے پاکستانی مقتنعہ کارکن بننے سے متصادم نہیں ہوا،⁽¹⁴⁾ ریکارڈ ایسے تصورات سے بھرا پڑا ہے جن میں شہری اور ریاست، قوم اور علاقے کے درمیان تعلق وحدنا ہے یہاں تک کہ اس وقت کے زمانے کے لئے بھی یہ ایسا ہی ہے۔ اس دور کے سال غیر معمولی طور پر اہم ہیں، کیونکہ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ زیر گردش لوگوں کے گرد باد میں ان تعلقات کو کس طرح سے وضع کیا جانا تھا اور کس انسانی قیمت پر۔

ڈبلی اور کراچی پس آزادی ریاستوں کے دو دارالحکومت بن گئے، اور اگرچہ یہ دونوں شہر آزادی سے پہلے ڈرامائی طور پر ایک دوسرے سے مختلف تھے، لیکن خود تقسیم ہی ان دونوں کو آپس

میں جوڑتی ہے۔ 1941 کی سامراجی مردم شماری کے مطابق، دہلی کی مسلمانوں کی تلفیق آبادی 33.22 فیصد تھی، جبکہ کراچی میں ہندوؤں کی آبادی 47.6 فیصد تھی (15) اور اگرچہ اس سامراجی مردم شماری کی شماریاتی مضبوطی مغالطے سے بالاتر ہے، لیکن یہ اس زبردست ثقافتی اہمیت کا احاطہ نہیں کرتی جو ان دو مذہبی طبقات کے ہاں ان دو شہروں کیلئے تھی۔

دہلی کو ایک ”ہند۔ اسلامی شہر“ کے طور پر بیان کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ دہلی سلاطین اور مختلف حکمرانوں کی حکومت کا مرکز تھا، بہمول شاہجہان معمار کے، جس نے اس شہر کے جغرافیہ پر عظیم اثر چھوڑا۔ (16) جب انیسویں صدی کے مصلح سید احمد خان نے 1857 کی بغاوت کے وقتوں میں مسلم اشراف کی بالیدگی کی کوشش کی، تو انہوں نے بطور ایک ممتاز مسلمان کے شہر دہلی کی تغیراتی بہمول نسبی تاریخ لکھی۔ (17) کیونکہ یہ شہر بیسویں صدی کے آغاز میں سامراجی دارالخلافہ بھی بن گیا، تو اسلامی تعلیم، اردو زبان، کے بہت سے اہم جدید ادارے اور کانگریس اور مسلم لیگ کے اندر قوم پرستی کے حامی مسلمان، تمام یہاں آ کر منتظر ہو گئے۔ (18) ستمبر 1947 میں نسل کش تشدد پنجاب سے پھیل کر دارالحکومت کے شہر تک پہنچ گیا اور شہر کے بہت سے مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑنے اور کیمپوں میں اور جہاں کہیں وہ پناہ لے سکتے تھے پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اس وقت تک جب تک 1951 کی مردم شماری کی گئی شہر کے 3.3 لاکھ مسلمان شہر چھوڑ کر رینوں پر پاکستان چلے گئے، اور اس تعداد کے تقریباً دوسری تعداد میں ہندو اور سکھ مہاجرین پنجاب سے آگئے۔ (19)